ایّامِ عزا کا اختتام

اور اپنے نفوس کا جائزہ

نخبۃ العلماء آیۃ اللہ السید کاظم نقوی دام ظلہ علی گڑھ

یوں تو اس نیلگوں فلک کے نیچے ہزاروں بے گناہوں کے خون بہے اور بہتے رہیں گے۔ دنیا ہزاروں انقلابات کی جولان گاہ بنی اور بنتی رہے گی۔ زمین لاکھوں انسانوں کے خون سے لالہ زار ہوئی اور ہوتی رہے گی، مگر یاد رکھئے کسی خون کی رنگینی پائیدار ثابت نہ ہوسکی۔ یقیناً انقلابات نے آکر دنیا کے دل میں اختلاج پیدا کیا مگر کچھ عرصہ کے بعد سکون ہوگیا۔ اس بزم کائنات میں ہزاروں انسانوں کی صف ماتم بچھی مگر پھر اُٹھ گئی کسی حادثہ کا اثر دائمی نہ بن سکا لیکن نہ معلوم کربلا کی داستان میں، نینوا کے دردانگیز قصہ میں کون سا درد بھرا ہوا ہے جس کا اثر ہر دل میں اور جس کا تصور آج بھی ہر دماغ میں ہے۔ آخر اس میں راز کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں خون زیادہ بہا ہے، آدمی زیادہ مارے گئے ہیں، مال و اسباب کثرت سے لوٹا گیا ہے مگر دل کے پاک اور عزیز ترین جذبات کی قربانی اتنے اثر انگیز اور نتیجہ خیز طور پر کہیں پیش نہیں ہوئی جیسی کربلا کی زمین پر رسولؐ کے نواسے نے پیش کی۔ یہی وجہ ہے کہ عالم کے انسانوں کی سوگواری ہوئی مگر چند روزہ رہی لیکن حسینؑ مظلوم کی سوگواری زمان و مکان کی قیدوں سے آزاد ہے۔ ابتدائے آفرینش میں بھی ان کی صف ماتم بچھی، آج بھی ان کی عزا قائم ہے اور مستقبل بھی درخشاں نظر آرہا ہے مگر کیا امام حسینؑ کی عزا اُن پر صرف چار آنسو بہالینا، ہائے واویلا مچالینا ہے؟ نہیں، نہیں، ایسا نہیں۔ عزاداری کا اصل مقصد یہ ہے کہ جس راستے میں انھوں نے جان دی، جس مقصد کی خاطر انھوں نے اپنا گھر بار لُٹا دیا اور جس راہ میں انھوں نے ظاہری عزت و آبرو تک کو عزیز نہ کیا، اس راستے کو ہم سمجھیں اور چلتے رہنے کی کوشش کریں، ان کے مقصد کو جانیں اور عملاً اس کے محافظ ہوں اگر ایسا ہے تو عزادار حسینؑ ہیں۔ ورنہ صورت سے ہیں اپنی سیرت سے نہیں۔

معرکۂ کربلا کا فاتح حسینؑ دنیا کو انسانیت کی صحیح قدر و قیمت بتانے کے لئے اُٹھا تھا، اس کا مقصد انسانیت اور اس کی شرافت و فضیلت کو حیوانیت و بہیمیت کے شکنجوں سے آزاد کرانا تھا۔ وہ دنیا کے واسطے حق و صداقت کے پیغامبر تھے۔ ان کی زندگی آزادی و حریّت کے ساتھ عبودیت الٰہی کا ایک سانچا تھی جس میں ہر صاحب بصیرت اپنی سیرت کو ڈھال سکتا ہے، ان کا کردار عالم انسانیت کے لئے ایک بلند معیار تھا، جس کسوٹی پر کس کر انسان کے افعال و اعمال معراج کمال پر پہنچ سکتے ہیں۔ وہ علمبرادران صداقت کی ہمتِ دل، جوشِ عمل، جرأت اخلاق کے واسطے منارۂ ہدایت ہیں۔ گویا یوں سمجھئے کہ حسینؑ نام ہے حریّت ضمیر کا، حسینؑ نام ہے باطل

اقتدار سے بغاوت کا۔ یہ وہ بلند اوصاف ہیں جو امام حسینؑ کی ذات سے وابستہ ہوگئے اور ان کی ہستی ان سے وابستہ ہوگئی۔ وہ، وہ حریّت پسند تھے جن کے نام کی یاد آزادی کی آواز کے ساتھ ہے۔ وہ، وہ حق پرور تھے جنھوں نے حقانیت کی آواز سے آواز ملائی اور حقانیت ہمیشہ کے لئے ان کی ہم نوا ہوگئی۔ حسینؑ وہ تھے جنھوں نے یزیدی عہد میں نہیں بلکہ شیطانی وابلیسی عہد میں کمر خمیدہ اسلام کو سیدھا کر کے اپنے بعد آنے والے داعیانِ حق کے دلوں میں یہ جرأت وہمت پیدا کر دی کہ وہ فاسق وفاجر، جبار وقہار بادشاہوں کے مقابلہ میں جم کر اور ان سے نہ مرعوب ہو کر ایمان واسلام کی ''هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا'' کی آواز پر لبیک کہہ سکیں۔ ورنہ یاد رکھئے کہ اگر ۶۱ھ میں باطل کے مقابلہ میں یہ حق کی آواز دھیمی ہوجاتی تو قیامت تک کے لئے حق، باطل کے سامنے، شرافت، رذالت کے سامنے، انسانیت، حیوانیت کے سامنے اور کہنے دیجئے کہ الوہیت شیطنت کے سامنے بظاہر جھک جاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس لاچاری اور لاوارثی کے زمانہ میں اگر حق وصداقت، شرافت وحریت اور انسانیت والوہیت نے کسی کے دامن میں پناہ لی ہے تو وہ حسینؑ تھے۔

یہ تھا وہ حسینؑ جس نے اللہ کے باقی مقصد میں جان نثار کر کے فنا کا لباس اُتار اور بقا کی قبا پہنی۔ اب بھلا ممکن تھا کہ حسینؑ کی یاد دنیا سے مٹ جائے؟ نہیں، حسینؑ کے ذکر سے اللہ کی یاد تازہ ہے۔

یہ تھے وہ حسینؑ جن کی طرف آج ہم اپنے کو منسوب کرتے ہیں اور ان کے جاں نثار، فداکار اور شیدائی ہونے کے دعویدار ہیں مگر یاد رکھئے، محبت کی کسوٹی اطاعت ہے اگر الفت شعاری کے ساتھ ساتھ اطاعت شعاری بھی ہے تو جانیے کہ حقِ محبت ادا ہوا، ورنہ زبانی دعوائے محبت کرنے والے بہت ہیں۔ یہ ایام عزا کا دور ہمارے لئے ایک تازیانۂ عمل تھا۔ الفت کا تقاضا کہ اگر ایک طرف ہماری آنکھیں غم میں اشک فشاں تھیں تو دوسری طرف دل میں بھی رنج وملال کی فضا قائم ہوتی۔ اگر ماتم میں ہمارے سینوں پر ہاتھ پڑتے تو اس تصور کے ساتھ کہ آج یہ ماتم کی آواز ہے اگر موقع آیا تو ان ہی ہاتھوں سے تلواروں کی جھنکار کی صدا پیدا ہوگی۔

ہم اگر سیاہ پوش تھے تو اس یقین کے ساتھ ہوتے کہ تو سہی دنیا کو اس غم میں سیاہ پوش بنا کے رہیں۔ یقینا ہمارے گھروں میں صف ماتم بچھی لیکن حق جب ادا ہوتا کہ اس کے ساتھ دل بھی ماتم کدے بنے ہوتے۔ عزا میں تاثیر جب ہوتی کہ نوحہ وشیون کی آوازیں در ودیوار سے نہ ٹکراتیں بلکہ دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتیں۔ پھر ہم اس قابل تھے کہ حسینؑ کا پُرسا ان کی ماں فاطمہ زہراؑ کو دیتے۔

عزا کے دن ختم ہوئے۔ حسینؑ کے ماننے والو! اب تم ذرا خود ہی تنہائی میں بیٹھ کر سوچو کہ تم کس قدر اس سے متاثر ہوئے؟ تمہارے دلوں میں کتنی ہمت، کتنا جوش عمل پیدا ہوا؟ خدا کرے رفتہ رفتہ گفتار کے ساتھ کردار بھی سازگار ہو اور یہ زبانی دعویٰ ہائے محبت عمل کا پیش خیمہ ثابت ہوں۔ کیا دن ہوں گے وہ جب حسینؑ کے ماننے والوں کے دل میں وہی جوش، وہی ولولہ، وہی حوصلہ ہوگا جو ۶۱ھ میں عاشور کے دن کربلا کی زمین پر ان بہتر حسینی جانثاروں کے دل میں تھا۔

۞۞۞